Lesson 3: Al-Maidah (Ayaat 15-26): Day 10

سُوْرَۃُ المَآئدۃ کی تفسیر

سبق کے آخر تک اَب ایک ہی مضمون ہے۔یہ آیات ایک واقعہ بھی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴿20﴾

اور یاد کرو موسیٰ (علیہ السلام ) نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہیں دیا۔(20)

موسیٰؑ کو اُن کی قوم نے جتنا بھی ستایا وہ پھر بھی پیار کے انداز میں بُلاتے ہیں کہ اے میری قوم۔ قوم کے نیچے زیر اصل میں ی تھی جو بدل کر زیر کی شکل میں آئی ہے۔ ی معنی میری۔ محبت کا انداز۔ یہاں سے ہمارے لئے سبق ہے کہ جن کی آپ تربیت کرتے ہیں چاہے وہ ستائیں۔ آپ اپنے ساتھ تعلق کو نہیں توڑیں گے۔ پیار سے بلائیں گے۔

"۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر کرو۔"نعمتیں یاد کرو۔ فرعون ڈوب چکاہے۔ اب موسیٰؑ کا دوسرا دور شروع تھا۔ اب قوم کو بیت المقدس میں داخل کروانا ہے۔ قوم کچھ سُست ہو چکی تھی۔ موسیٰؑ ایک بہترین لیڈر اور قائد کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ وہ قوم کو شکر اَدا کرنے کا کہتے ہیں۔ قوموں میں تب ہی بگاڑ آتا ہے جب قومیں ناشکری کرتی ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کا ہوًا۔ اور آج کی نسلیں اور بچے بھی والدین کی ناشکری کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کو نعمتیں یاد کروائی جارہی ہیں۔ مُلُوگا: ملوک ملک کی جمع، بادشاہ، خود مختار۔ آزاد شخص کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی تم کو بادشاہ بنایا گیا۔ فِيكُمْ تمھارے بیچ میں۔ وَجَعَلَكُمْ مُلُوگا تم کو ہی بادشاہ بنادیا گیا؟ یہاں آزاد اور خود مختار کے معنی میں۔ یعنی فرعون سے آزادی مل گئی ہے۔

حدیث کا خلاصہ ہے کہ ملوک وہ ہے۔ جس کے پاس گھر ہو۔ خادم ہو اور سواری ہے۔ عام فہم میں؛ روٹی، کپڑا اور مکان۔ ہر کوئی اپنے گھر میں بادشاہ ہی ہوتا ہے۔

موسیٰؑ کے چالیس سال بعد بنی اسرائیل کا عروج شروع ہوا۔ داؤد اور سلیمانؑ کے دور میں بادشاہت اور نبوت بنی اسرائیل میں تھی۔

آج کے دور میں اصل بات خلافت، جمہوریت یا بادشاہت نہیں۔ بلکہ قوم کو عدل و انصاف والی حکومت مل جائے تو یہی نعمت ہے۔

کونسی نعمتیں؟

عقیدۂ توحید۔ یہ مؤحد قوم تھی۔ نبوت بھی اُن میں تھی۔ آزادی اور حکومت بھی۔ سارے معجزات جو فرعون کے دور میں بنی اسرائیل کو ملے تھے۔ نو نشانیوں کا ذِکر سورۃ اعراف میں آئے گا۔ کچھ کا تذکرہ ہم سورۂ البقرہ میں پڑھ چکے ہیں۔

کیا بنی اسرائیل کو مسلمان قوم سے زیادہ نعمتیں ملی تھیں؟ تو جواب یہ ہے؛

اپنے دور میں بنی اسرائیل کے پاس ملوکیت اور نبوت تھی۔ لیکن آج مسلمان بہترین قوم ہیں۔ مسلمان قوم کو اللہ نے قیامت تک کے لئے چُن لیا ہے۔ ہمیں توحید کی نعمت ملی۔ اللہ کے آخری نبیؐ نے ہمارے

لئے ہدایت چھوڑی۔ نعمتِ اسلام ملی۔ ہمیں اس دُنیا کی تربیت کرنے کا کام دیا گیا ہے۔ آج کے دور میں اللہ کے دین کا کام کرنے والے، مبلغین، داعی یہی عزّت افزائی والا کام کرتے ہیں۔ اسلام کے لئے کوشش کرنے والے سب اس میں آتے ہیں۔

لیکن نہ کرنے پر سزا بھی ملے گی۔ بندے سے توفیق چھن جاتی ہے۔ انسان کی اپنی ہی فکریں اور غم سامنے آجاتے ہیں۔

غور کریں۔ کہ مسلمان اللہ کے مقرّر کردہ لوگ ہوتے ہوئے رُسوا کیوں ہیں؟ اللہ کے نبیؐ کی اُمّت دُنیا میں کیوں ذلیل ہے؟ اِس لئے کہ اس اُمّت نے جو کام کرنے تھے وہ نہیں کیے۔ علامہ اقبالؒ نے اللہ سے یہی شکوہ کیا تھا۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر

برق گرتی ہے بے چارے مسلمانوں پر

اُس کے جواب یہی تھا کہ جب کوئی اللہ کی چُنی ہوئی قوم اپنے فرض کے تقاضے نہ نبھائے تو پھر ایسے ہی سزا ملتی ہے۔

پھر اگلی آیت 21 میں موسیٰؑ کی اچھی لیڈرشپ اور قاعدانہ صلاحیتیں نظر آتی ہیں۔ یہ سب کچھ اُن چالیس سال کے دوران ہوُا۔ جب وہ وادی طین میں بھٹک رہے تھے۔ دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ اللہ دوسروں سے وہ کام لے لیتا ہے لیکن ایسے لوگوں سے توفیق چھن جاتی ہے۔ کیسے یہ کام کریں؟

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿21﴾

اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔ (21)

نیکی کا کام کیسے دیں؟ اُن کو مقاصد دیں۔ صرف یہ نہ کہیں کہ نیک بنو نیکی کے کام کرو۔

موسیٰؑ بہت پیار سے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں فتح ملے گی۔ ہمت بندھانے والا انداز، پیٹھ مت پھیرنا۔ مثال کوئی آج کے دَور میں ایک مسلمان لیڈر اُٹھ کر کھڑا ہو کہ میرے ساتھ کُفر کے طاغوتوں سے مقابلے کے لئے نکلو۔ آپ اپنے بچوں کو کیسے حوصلہ دے سکتے ہیں۔ بچہ گِر گِر کر اُٹھنے سے چلنا سیکھتا ہے۔

مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اچھے قائد نہیں ہیں۔ آج مسلمان قوم کو ایک بہترین لیڈر ہی لے کر آگے بڑھ سکتا ہے۔ ایک ٹِپ یہ ہے کہ لوگوں سے اُن کی بات کرو۔ یہ کہو کہ تم بہترین زندگی ہی حاصل کرسکتے ہو۔ اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ کہ اس طرح جینے سے بہتر ہے۔ اُن کو احساس دِلاؤ کہ وہ اچھی زندگی تب ہی حاصل کرسکتے ہیں۔ جب علم حاصل کرینگے اور اپنے آپ کو منظم کرلیں گے۔

اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ "الدین النصیحه" دین خیر خواہی کا نام ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا اللہ کے رسولؐ کس کی خیر خواہی تو انہوںؐ نے فرمایا، اللہ کی، رسولؐ کی، خاص کی اور عام لوگوں کی۔

سچّا مومن خیر خواہ ہوتا ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ کسی نے آپ کے ساتھ زیادتی کی تو آپ کو افسوس ہو کہ اُس کو گناہ ہوُا ہو گا۔ کوئی آپ کو نقصان دے تو ہم یہی سوچیں کہ یہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو گا۔

جو کوئی نیک کام نہیں کرے گا تو اللہ اُن سے بہتر لوگوں کو سامنے لے آئے گا۔

ہم بعض اوقات لوگوں کی اَنا کو بیدار کر دیتے ہیں۔ شعور کو بیدار کریں۔ یہ نہ کہیں کہ تم گناہگار ہو وغیرہ۔ ضمیر کو بیدار کریں۔ دیکھو تم کو جنّت ایسے ملے گی۔ تم کو ثواب ہو گا۔ ایسے کرو۔ ایسی باتیں کر کے شوق دلائیں۔

یوسفؑ نے اپنے خاندان والوں کو مصر میں آباد کیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد اُن کی نسلیں بھٹک گئیں تو یہ بنی اسرائیلی فرعون کی غلامی میں چلے گئے۔ اِن کو واپس ملک شام جانا تھا۔

بیت المقدس دراصل یعقوب کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی، وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ "تم ان سے جہاد کرو اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا"۔ لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے۔

الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ: مقدسہ سے مراد پاک ہے۔

بعض روایات میں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے"۔ایک روایت میں اریحاء کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں، اس لیے کہ نہ تو اریحاء کا فتح کرنا مقصود تھا، نہ وہ ان کے راستے میں تھا، کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آرہے تھے اور بیت المقدس جارہے تھے، یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا۔

الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ : کا فارسی ترجمہ ہے پاکستان۔ آپ کا اور ہمارا پاکستان۔

اپنا محاسبہ کریں! اللہ نے ہمیں پاکیزہ وطن دیا کیا ہم نے اپنے پاک ملک کو کفر، شرک اور بدعت سے پاک کر دیا؟

اَب دیکھیں بنی اسرائیل والے کیا جواب دیتے ہیں اور اپنا محاسبہ کریں کہ ہم (آج کے مسلمان) تو ایسی کوئی بات نہیں کرتے؟

قَالُوا يَا مُوسَى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ﴿22﴾ انہوں نے جواب دیا کہ اے موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم [بخوشی] چلے جائیں گے۔(22)

اَب قوم کا جواب سنیے

پہلی ہی بد تمیزی کہ آگے سے یا نبیؐ یا یارسولؐ اللہ کہنے کے بجائے (کیونکہ وہ اُن کے سامنے تھے اور وہ اُن سے مخاطب تھے اس لئے یا کہہ سکتے ہیں) وہ کہتے ہیں اے موسیٰ، حالانکہ موسیٰؑ نے فرمایا "میری قوم"۔ اس سے پہلے شعیبؑ کی قوم نے بھی اے شعیب کہا تھا۔ لیکن وہ بنی اسرائیلی نہیں تھے۔

لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ کھجور کے بڑے تنے کو جَبَّارِينَ کہتے ہیں۔ جبّار سے مُراد طاقتور اور ظالم یعنی آج کی سُپر پاور والے لوگ ہیں۔

کچھ روایات میں ہے کہ "موسیٰ علیہ السلام جب اریحاء کے قریب پہنچ گئے تو آپ علیہ السلام نے بارہ جاسوس مقرر کئے، بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحاء میں بھیجا تاکہ وہ وہاں سے صحیح خبریں لے آئیں"۔

یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے۔ ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے، اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کیلئے آگیا، وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جاکر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی، جس میں یہ سب کے سب تھے، بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے، تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جاکر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے"۔

خوف انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ کچھ تو واقعی طاقتور تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ مبالغے سے قوم کو مزید ڈرا دیا گیا ہو۔ جیسے آج کل مسلمان ڈرے ہوئے اور خوفزدہ ہیں۔

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿23﴾

دو شخصوں نے جو خدا ترس لوگوں میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازے میں تو پہنچ جاؤ، دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آجاؤ گے، اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔(23)

بنی اسرائیل جب اپنے نبی کریم علیہ السلام کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے تو وہ شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا، وہ انہیں سمجھاتے تھے۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب الٰہی نہ آجائے۔

یعنی جس طرف اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں اسی طرح دو مرد حضرات اُٹھے۔ اگرچہ اُن کے دِل میں بھی ڈر تو تھا۔ ایک اُسی قوم مالکہ کا اور دوسرا اللہ کا ڈر۔ اللہ کے ڈَر نے اُن کو ہمت دی کہ وہ بات کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ داخل تو ہو جاؤ۔

آج اگر کچھ لوگ اللہ کے دین کے لئے کھڑے ہو جائیں فتنے اور فساد کے دَور میں دین اسلام کو عروج دینے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ آج اُمّت مسلمہ کے حوصلے ٹوٹے ہوئے ہیں۔۔ فتنے فساد صرف دُشمن کے اور جنگوں کے نہیں ہوتے بلکہ اچھے کھانوں کے، سہولتوں کے عادی ہو جانا، عیش میں پڑ جانا بھی فتنے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ کی احادیثؐ سے پتا چلتا ہے کہ کہ فتنوں کے دَور میں اسلام کی سربلندی کے لئے کوششیں کرنے والوں کو صحابہ کرامؓ جیسا اَجر ملے گا۔

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ آج کے فتنوں والے دَور میں اُمّتِ مسلمہ کو بہترین لیڈر عطا فرمائے اور ہم سے دین کے خدمت اور سربلندی کے کام لے۔ آمین

ایک قرأت میں «يَخَافُونَ» کے بدلے «يَهَابُوْنَ» ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ "ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی۔ ایک کا نام یوشع بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفا تھا"۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے ، فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو گے تو فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے، تم دروازے تک تو چلے چلو، یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے۔

اسلام پر ایسے حالات ہر دَور میں آئے۔ غزوۂ اُحد کے دور میں، پھر ابو بکرؓ کے دَور میں زکوٰۃ کے انکار پر بھی یہ دَور آیا۔ کبھی کبھی مشکل حالات آتے ہیں۔ پھر اللہ پر توکل کرنے والے، حسبی اللہ کہنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ آج بھی اگر دو لوگ / لیڈر اُٹھ کھڑے ہوں تو مسلمانوں کے حالات بدل سکتے ہیں۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿24﴾

قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم ہرگز وہاں نہ جائیں گے، اس لئے تم اور تمہارا پروردگار جاکر دونوں ہی لڑ بھڑ لو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ (24)

بنی اسرائیل کا لاڈلے بچوں جیسا اَنداز ہے۔ موسیٰ نے اللہ کا حکم سنایا۔ پھر وہ دونوں نیک آدمی بھی حوصلے بلند کرتے رہے۔ لیکن وہ ضدی بچوں کی طرح بیٹھے ہیں کہ ہم تو نہیں جائیں گے۔

اَب آج کی اُمّت کے بارے میں سوچیں۔ ہم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ خود ہی کر لے گا۔ ہم تو بیٹھے ہیں۔

بنی اسرائیل تو یہ تک کہنے لگے کہ اس سے تو ہم مصر میں ہی اچھے تھے۔ ناشکری دیکھیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن فرعونیوں سے نجات دلوائی۔ اِن کو کچھ نہیں کرنا پڑا۔ وہ ہزاروں کا گروہ پانی میں ڈوب گیا۔ اور کہاں آج بنی اسرائیل اللہ اور رسولؐ کا حکم ماننے سے انکاری ہیں۔ آرام پسند اور سُست قومیں یہی کرتی رہیں۔

اور کہنے لگے کہ " إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ " ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ زیادہ تر جوان لوگ کام کرنے کے لئے اُٹھتے ہیں۔ اللہ کے نبیؐ کے ساتھ بھی سوائے ابو بکرؓ کے باقی سب جوان لوگ ساتھ دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اسی کو علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا ہے کہ؛

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں - نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر - تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ہماری نسلیں سُست ہو گئی ہیں۔ ایک اور جگہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا؛

رُلاتی ہیں مجھ کو جوانوں کی تن آسانیاں

ہمارے نوجوانوں کے پاس مقاصد ہی نہیں ہیں۔ ہم نے اِن کی اچھی تربیت نہیں کی ہے۔ ہم نے ان کو پیسے اور دُنیا کی دوڑ میں لگا دیا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے دین اسلام کی خدمت کریں۔ تو بیٹھ کر تبصرے کرنے کی بجائے کام کریں۔ بچوں کو بہادر بنائیں۔

لیکن اُن سُست لوگوں نے صاف جواب دے دیا اور ڈھٹائی سے وہیں بیٹھے رہے۔ اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ بنی اسرائیل سُستی اور بزدِلی سے وہاں بیٹھے رہے۔ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا؛

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿25﴾ موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے الٰہی! مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں جدائی کر دے۔ (25)

پھر موسیٰؑ نے یہ دُعا کی کہ یا اللہ! ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ میرا تو صرف میرے اوپر یا اپنے بھائی پر ہی اختیار ہے۔ بعض اوقات انسان مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کے آس پاس کے لوگ اُس کی بات نہیں مانتے۔ ہمارا زیادہ اختیار صرف گھر والوں پر ہی چل سکتا ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ پھر بھی کچھ اور نہیں کہا۔ وہ موسیٰؑ کے پیارے تھے۔ خاندان والے، رشتے دار۔ پھر بھی صرف یہی کہا کہ ان میں اور مجھ میں جُدائی ڈال دے۔ کیونکہ جب اپنے پیارے بھی دین میں رُکاوٹ بننے لگیں تو دین نہیں چھوڑنا بلکہ ایسے لوگوں سے دُور ہو جانا ہے۔

سورۃ توبہ میں بھی اللہ تعالیٰ دس باتیں گنوا کر یہی پیغام دیتے ہیں کہ جب اپنا مال، گھر والے، خاندان والے، اولاد، تجارت، یہ سب پیارا لگتا ہے تو جاؤ پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ اللہ کو خوش کرنے میں لگ جاؤ۔ کہیں اور سے خوشی نہیں ملے گی۔

أَلا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ : الرعد آية 28

موسیٰؑ کی دُعا ایک دُکھی دِل کی دُعا تھی۔ انبیاء کرامؑ کی قوموں نے جب اُن کی بات نہ مانی تو انہوں نے یہی دُعا کی۔ کیونکہ سچّا مومن کبھی اپنی قوم کی تباہی کی دُعا نہیں مانگتا۔ صرف اُن سے جدائی مانگتا ہے تا کہ اپنا ایمان سلامت رہے۔ اُن کی دُعا کیسے قبول ہوئی؟ اُن کو کیسے سزا ملی؟

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴿26﴾

ارشاد ہوا کہ اب زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، یہ خانہ بدوش ادھر اُدھر سرگرداں پھرتے رہیں گے اس لئے تم ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا۔(26)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے۔ موسیٰؑ آپ ان کی فکر نہ کریں۔ غم انسان کو کمزور کر دیتا ہے۔ آپ اِن کو چھوڑ دیں۔ اِن کا غم بھی چھوڑ دیں۔

يَتِيهُونَ سے ہی لفظ۔ طئی، کوہِ طور، اور وادئ تیہ کا نام ہے۔ اُس وادی کا نام ہی یہ پڑ گیا۔

آپ اُس کیفیت کا اندازہ لگائیں کہ کوئی گھنٹوں تک دو چار گلیوں کے چکر لگا تا رہے اور راستہ ڈھونڈ تا رہے۔ پھر وہ نسل ختم ہو گئی۔ بڑے بوڑھے مر گئے۔ نئی نسل پیدا ہوئی اور جوان ہوئی۔

اللہ نے ان کو چالیس سال تک صحراؤں میں رکھا۔ بوڑھے لوگ مصر کے معاشرے میں رہ کر غلام ذہنیت والے اور سُست ہو گئے تھے۔ بظاہر یہ ایک سزا تھی لیکن نئی نسل کی تربیت ہوئی۔

اُسی وادی میں ہارونؑ کی وفات ہوئی پھر ڈیڑھ سال بعد موسیٰؑ اِس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ پھر اُن دو لوگوں یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا کی معیت میں بیت المقدس فتح ہؤا۔ پھر بنی اسرائیل کا عروج شروع ہؤا۔ پھر داؤد اور سلیمانؑ کا دَور آیا۔

ہمارے لئے سبق؛ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ کو بھی عروج ملے۔ اپنی نسلوں کی تربیت کریں۔ اپنے بچوں میں مجاہدانہ صفّات پیدا کریں۔ نفس کے تقاضے کنٹرول کرنا سیکھیں۔ آپ کا قرآن سیکھنا آپ کو فائدہ دے گا۔ آپ کو صبر کرنا آئے گا۔ دین یا دُنیا کے کاموں کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔

عملی قدم اُٹھائیں۔ صرف بیٹھ کر باتیں نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک وقت ایسا آیا تھا۔ اللہ کے نبیؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حال کو دیکھیے کہ مکہ سے ایک قافلہ مدینہ کی طرف آیا۔ اور پھر کسی افواہ کے نتیجے میں نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلے کو بچانے کیلئے مدینہ پر حملے کے لئے نکل آئے، قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت و قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہیئے؟ اللہ اُن سب سے خوش رہے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے اہل عیال سب کو ہیچ سمجھا نہ کفار کے غلبے کو دیکھا، نہ اسباب پر نظر ڈالی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پہ قربان ہیں۔ سب سے پہلے صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی گفتگو کی پھر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی۔

لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر کرنا چاہے تو کرے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دِلی ارادہ معلوم کریں، اس لیے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔

اس پر سیدنا سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے "شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہماری منشاء معلوم کرنے کا ہے؟ سنئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس و پیش کے اس میں کود جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں شوق سے لے چلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نام لیجئے، کھڑے ہو جایئے ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو

دیکھ کر ان شاءاللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی"۔

انہوں نے فرمایا کہ ہم موسیٰؑ کے ساتھیوں کے طرح بیٹھ رہنے والوں میں نہ ہونگے۔

یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں رضی اللہ عنہم۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک لڑائی کے موقعہ پر آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا پھر انصاریوں نے کہا کہ "اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں، تو سنئے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں، جو کہدیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مدد لے کر جہاد کیلئے چلئے، ہم جان ومال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں ۔ (مسند احمد:3/105:صحیح) مقداد انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ " سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوگئے"۔(صحیح بخاری:4609) انہوں نے کہا تھا کہ " نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے"۔(مسند احمد:1/389:صحیح ) (کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خوش کر سکتا) ۔

اللہ نے ان کو ایک صحرا میں قید کر دیا۔

ہمارے لئے سبق کہ بعض اوقات ہمارے پاس سب کچھ ہوتا ہے لیکن پھر وہی چیزیں، سہولتیں ہمارے لئے سزا بن جاتی ہیں۔ کوئی چیز آزمائش بن جاتی ہے۔ اللہ ہمیں اپنی پکڑ سے بچائے۔ اللہ سے دُعا ہے کہ ہمیں بیٹھ رہنے والوں میں نہ بنائے۔ اللہ ہم سے دین کی خدمت کے کام لے لے۔ آمین